۸ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۳۹

اس شمارے میں

آل احمد سرور

میں نے امریکہ کو کیسا پایا؟

(۱۴)

ہارورڈ یونی ورسٹی میں میرے دو لیکچر ہوئے، ایک اردو ادب کی تاریخ کا ایک نیا نقطۂ نظر کے عنوان سے اور دوسرا غالب اور جدید ذہن پر۔ ڈاکٹر شمل صدر تھیں۔ پہلے لیکچر میں میں نے رام بابو سکسینہ اور صادق دونوں کے اس نظریے سے اختلاف کیا تھا کہ اردو ادب پر فارسی کا اثر اسے بدیسی یا مصنوعی رنگ دیتا ہے۔ میں نے اس پر زور دیا تھا کہ مقامی زبانوں اور مقامی ماحول کا اثر ابتدائی دور میں بہت نمایاں ہے اور یہ اثر برابر کام کرتا رہا اور کسی وقت غائب نہیں ہوا، ہاں ادب کی ترقی میں فارسی کا گہرا اثر قدرتی تھا اور بحیثیت مجموعی اس سے اردو ادب کو بہت فائدہ ہوا اور اس کی رعنائی و زیبائی، گہرائی اور گیرائی میں فارسی کے اثر کا نمایاں حصہ ہے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جس طرح سنسکرت قدیم ہندوستان کی کنجی ہے، اسی طرح ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوستان کو سمجھنے کے لئے فارسی کا مطالعہ ناگزیر ہے، بلکہ ہندوستان میں سنسکرت، فارسی اور انگریزی نے قدیم، درمیانی اور جدید دور میں ہندوستان کی کثرت کو ایک وحدت دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس پر پروفیسر راجر ژرالی جو ہارورڈ میں فارسی کے پروفیسر ہیں بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اس بات پر افسوس کیا کہ ان کی یونی ورسٹی کے سنسکرت کے پروفیسر ہوتے تو اس مسئلے پر اچھی بحث ہوتی کیونکہ پروفیسر موصوف کے نزدیک صرف سنسکرت ہی ہندوستان کی کنجی ہے اور فارسی یا انگریزی کے اثرات کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ میں نے فلاڈلفیا میں بھی بعض پروفیسروں سے یہ شکایت سنی کہ جو لوگ اب تک ہندوستان کی تہذیب اور ہندوستانی ادبیات کے سلسلے میں امریکہ میں امام رہے ہیں انھوں نے سنسکرت اور قدیم تہذیب پر زیادہ زور دیا ہے اور جدید ہندوستانی زبانوں مثلاً اردو کو مناسب اہمیت نہیں دی۔ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ میں ہندوستانی ادبیات کا مطالعہ سنسکرت سے شروع ہوا اور وہاں کے ماہرین نے اس سلسلے میں خاصا کام کیا ہے، مگر دوسری جنگ عظیم کے بعد جب امریکہ میں جدید ہندوستان اور اس کے مسائل سے دلچسپی شروع ہوئی تو جلد یہ اندازہ ہوگیا کہ آج کے ہندوستان کو سمجھنے کے لئے جدید ہندوستانی زبانوں کے کما حقہٗ علم کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ چنانچہ ان زبانوں کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی اور آج ایک یا ایک سے زیادہ جدید زبانوں کی تعلیم کسی نہ کسی امریکی یونی ورسٹی میں ہوتی ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، اردو کی تعلیم یا تو ہندی کے ساتھ یا علیحدہ آٹھ یا نو یونیورسٹیوں میں ہو رہی ہے۔ اردو کی کتابیں اٹھارہ مرکزوں کو مہیا کی جاتی

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ ۵ روپے

ہیں جن کے جمع کرنے کے لئے دہلی اور لاہور میں باقاعدہ انتظام ہے۔ دو نسخے لائبریری آف کانگریس میں رکھے جاتے ہیں۔ عام طور پر ابتدائی اردو اور درمیانی اردو کے کورس ہوتے ہیں، ہاں شکاگو اور چند اور یونیورسٹیوں میں ادب کے کورس بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ میں نے شکاگو میں نارمن زائڈے، ہارورڈ میں ڈبلیو۔ سی۔ اسمتھ سے اور ہارٹ فورڈ میں پروفیسر ایڈمس سے خاص طور پر اس کی سفارش کی کہ یہ لوگ اپنے اثر سے کام لے کر دو یا تین یونیورسٹیوں میں اردو ادب کے باقاعدہ تعلیم کا انتظام کرائیں۔ میرے نزدیک امریکہ میں شکاگو، ہارورڈ، برکلے اور کناڈا میں میک گل کا ادارۂ علوم اسلامیہ، یہ کام بخوبی کرسکتا ہے۔ جیسا کہ حال میں ٹائمس لٹریری سپلیمنٹ کے ایک مضمون نگار نے امریکہ میں دوسری زبانوں کے تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، امریکہ کے لوگ عملی قسم کے لوگ ہیں۔ یورپ والوں کی طرح انھیں تاریخ، تہذیب، ادب، الفاظ کے جادو، حسن کاری سے اب تک زیادہ دلچسپی نہ تھی، ہاں اب یہ دلچسپی شروع ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کو اپنے علاقائی مطالعے (AREA STUDIES) کے سلسلے میں جدید ہندوستانی زبانیں سکھانے کی ضرورت محسوس ہوئی اس لئے انھوں نے اس کا انتظام کر دیا، مگر اس بات کی ضرورت محسوس نہ کی کہ امریکہ میں اردو کے کچھ عالم یا اسکالر ایسے پیدا کریں جو اردو زبان و ادب پر پورا عبور رکھتے ہوں، یہ کام بہر حال ضروری ہے اور تقریباً پندرہ سال سے جدید ہندوستانی زبانوں اردو، ہندی، بنگالی، تامل وغیرہ سکھانے کے بعد اب اس بنیاد پر ادب کی تعلیم پر مناسب توجہ کرنی چاہئے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان حضرات نے میرے خیال سے اتفاق کیا اور اپنے اپنے حلقے میں اس کو منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہارورڈ میں آسانی یہ ہے کہ ڈرانی فاؤنڈیشن نے ایک گرانقدر عطیہ میر و غالب کے کلام کے ترجمے کے لئے دیا ہے اور اس کی بنیاد پر اردو ادب کی اچھی تعلیم کا انتظام ہو سکتا ہے۔ شکاگو اور دوسری یونیورسٹیوں میں اگرچہ اس خیال سے ہمدردی ہے مگر فی الحال صدر نکسن کی پالیسی کی بدولت ان یونیورسٹیوں کی بہت سی پرانی اسکیمیں بھی ختم کر دی گئی ہیں اور فی الحال نئی اسکیمیں چلانے کا کچھ زیادہ سوال نہیں ہے بہر حال اس وقت تو اردو زبان کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے جس سے طلبہ میں اردو ادب کے مطالعے کا شوق پیدا ہو نہ کہ صرف تاریخ یا معاشرہ کے طالب علم ضمنی طور پر کسی ایک زبان سے کچھ واقفیت پیدا کرلیں۔ اس سلسلے میں ایک اور بات کی طرف اشارہ ضروری ہے جو میں نے کئی جگہ دیکھی۔ اردو زبان کی تعلیم کے لئے ہر وہ شخص جس کی مادری زبان اردو ہے، موزوں نہیں ہے، اس کے لئے اردو زبان و ادب کا کما حقہ علم ضروری ہے جو اردو میں ایم۔ اے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہاں امریکہ کے طلبہ کو اردو پڑھانے کے لئے لسانیات کا علم بھی ضروری ہے تاکہ جدید تدریس کے طریقوں کے مطابق تعلیم دی جاسکے۔ کئی یونیورسٹیوں میں اردو پڑھانے کے لئے ایسے لوگ بھی مامور کردئے گئے ہیں جو اردو زبان و ادب سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے نہ جنھیں اردو زبان سکھانے کا تجربہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح ہر انگریز انگریزی نہیں پڑھا سکتا، اسی طرح ہر اردو والا اردو پڑھانے کے لئے بھی موزوں نہیں ہے۔ اس لئے ایک پروگرام کے تحت ہندوستان اور پاکستان کی یونیورسٹیوں کے اردو کے شعبوں سے اساتذہ کو بلانا چاہئے اور ان اساتذہ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ امریکہ کے اردو کے طالب علموں کو ایسی تربیت دیں کہ ان میں اردو کے عالم اور اسکالر پیدا ہونے لگیں۔ ویسے اردو کے کچھ اساتذہ اب بھی سال، دو سال کے لئے جاتے رہے ہیں اور اس سے فائدہ بھی ہوا ہے، کچھ امریکن طالب علم بھی اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاری کر رہے ہیں مگر یہ سلسلہ اور باقاعدہ ہونا چاہئے تاکہ اردو کی درس و تدریس کے سلسلے کو مستحکم کیا جاسکے اور اس کے ذریعہ سے امریکہ میں اردو کے اچھے عالم اور اسکالر پیدا کئے جاسکیں۔

(باقی)

ماریشس میں اردو ادارے کا قیام

نئی دہلی:۔ پورٹ لوئی میں ۱۸ ستمبر کو ماریشس کے قائم مقام گورنر جنرل کے ہاتھوں اردو کے قومی ادارے کا افتتاح ہوا۔ اس موقع پر ماریشس کے وزیر اعظم شری رام غلام دیگر وزراء اور سفارتی ارکان موجود تھے۔ وہاں کے مشہور و معروف صنعت کار عبد اللہ کریم جی جو اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور دیگر مقررین نے مذکورہ ادارہ کے سیکولر اور قومی کردار پر زور دیا اور کہا کہ کسی زبان کو کسی مذہب کے ساتھ وابستہ کرنا غلط ہے۔ ہندوستان میں اردو کے فروغ کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

انھوں نے حکومت ہند کا اس بات کے لئے شکریہ ادا کیا کہ اس نے ماریشس میں مشرقی زبانوں بشمول اردو کے لئے ایجوکیشن افسر دئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے یہاں سے کتابوں اور میگزین کی فراہمی کی صورت میں دی گئی امداد کے لئے بھی شکریہ ادا کیا۔

• قومی آواز

معیث الدین فریدی

تلامذۂ غالب (مالک رام) کی تاریخی غلطیاں

تلامذۂ غالب میں جناب مالک رام نے غالب کے شاگردوں کے حالات کافی تلاش اور کاوش سے جمع کئے ہیں مگر اس تذکرے میں مرتب نے اکثر تاریخوں کے اندراج میں غیر محتاط انداز سے کام لیا ہے اور بعض جگہ غیر ذمہ داری کے ساتھ کسی صحیح تاریخ کو غلط قرار دے دیا ہے۔

مثلاً:۔

(۱) تحسین۔ حافظ قاضی عبدالرحمٰن پانی پتی کے سلسلے میں جناب مالک رام لکھتے ہیں:

"غرۂ رجب ۱۲۲۵ھ (۲ اگست ۱۸۱۰ء) میں فوت ہوئے۔ مولوی محب اللہ پانی پتی نے آیت قرآن "فہم مکرمون فی جنت النعیم" سے تاریخ نکالی (اس میں ایک عدد کم ہے یعنی ۱۲۲۴)۔"

(تلامذۂ غالب ص ۹۲-۹۳)

یہاں مالک رام سے اعداد کے شمار کرنے میں غلطی ہوئی۔ مولوی محب اللہ نے صحیح تاریخ نکالی ہے: "فہم مکرمون فی جنت النعیم" سے ۱۲۲۵ برآمد ہوتے ہیں۔

ف ہ م م ک ر م و ن
۸۰+۵+۴۰+۴۰+۲۰+۲۰۰+۴۰+۶+۵۰
۱۲۵ + ۴۵۶

ف ی ج ن ت ا ل ن ع ی م
۸۰+۱۰+۳+۵۰+۴۰۰+۱+۳۰+۵۰+۷۰+۱۰+۴۰
۱۲۲۵ = ۶۵۴ + ۵۹۰

(۲) منشی نبی بخش حقیر کی وفات پر غالب کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ وفات اس تذکرے میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کا آخری شعر اس طرح چھپا ہے:

خواستم از غالب آشفتہ سر
گفت "ہ طول بگو" رستخیز
۱۲۷۷

(تلامذۂ غالب ص ۹۵)

رستخیز کے اعداد ۱۲۷۷ ہوتے ہیں ۱۲۷۷ غلط۔

ر س ت خ ی ز
۲۰۰+۶۰+۴۰۰+۶۰۰+۱۰+۷ = ۱۲۷۷

(۳) سجاد۔ نواب سید سجاد مرزا دہلوی کے سلسلے میں مالک رام لکھتے ہیں:

"۱۸۷۷ء (۱۲۹۳ھ) میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔ مرزا عبدالغنی نے تاریخ کہی کہ:

بیٹھ کر رنج و غم سے کھینچوں آہ

رنج و غم کے اعداد (۱۲۹۹) سے آہ (۶) کا تخرجہ ہے۔"

(تلامذۂ غالب ص ۱۲۶)

جمل کے سیدھے سادے قاعدے سے رنج و غم کے اعداد ۱۲۹۹ ہوتے ہیں۔

ر ن ج و غ م
۲۰۰+۵۰+۳+۶+۱۰۰۰+۴۰ = ۱۲۹۹

اور آہ کے ۶ ہوتے ہیں۔ ۱۲۹۹ سے ۶ کا تخرجہ کیا جائے تو ۱۲۹۳ باقی رہیں گے۔ مالک رام نے ۱۲۹۳ حاصل کرنے کے لئے رنج و غم کے ۱۲۹۹ فرض کرلئے اور آہ کے ۶ فرض کرکے تخرجہ کیا اس طرح ۱۲۹۳ کا حساب پورا کر دیا۔

(۴) رنج و طبیب۔ حکیم نصیح الدین میرٹھی کے سلسلے میں مالک رام لکھتے ہیں۔

"دیوان بھی زندگی میں مرتب نہیں ہوا۔ یہ ان کی

اسرار اکبرآبادی

غمخوار

(صدر ناصر کی اچانک موت سے متاثر ہوکر)

اک چیخ فضا میں گونج گئی خاموش نظارے کانپ گئے
ماحول پہ چھایا سناٹا لمحوں کے تارے کانپ گئے
جب موت نے تیرے جیون کی قندیل بجھائی پھونکوں سے
اک اور کہانی ختم ہوئی ہم درد کے مارے کانپ گئے

بے چین ہیں سینوں میں آہیں، آہوں سے دل گھبرائے ہیں
سانسوں میں لپکے شعلوں سے آنکھوں کے کنول مرجھائے ہیں
پرہول اندھیرے ساگر میں ڈوبے ہیں اجالوں کے پرچم
مشرق میں دھواں بل کھاتا ہے مغرب میں اندھیرے چھائے ہیں

غمناک اندھیروں میں چھپ کر غمناک فضائیں روتی ہیں
سنسان سے سونے گلشن میں صحرا کی ہوائیں روتی ہیں
خاموش ہے موجوں کی پائل بے ہوش ہے دریا کی ہلچل[1]
دھرتی پہ بسی آبادی پر امبر کی گھٹائیں روتی ہیں

دکھلا کے ہمیں جیون کی جھلک وہ دنیا سے روپوش ہوا
وہ دیپ بجھے وہ ساز لٹے، وہ مطرب بھی خاموش ہوا
مایوس اندھیرے غاروں میں اترے ہیں امیدوں کے پیکر
اب ہوش کسے اب ہوش کہاں ہر شخص یہاں بیہوش ہوا

اب کون اشاروں میں ہم کو منزل کے راز بتائے گا
ماحول کے جلتے شعلوں میں جینے کا چلن سکھلائے گا
اب کون غریبوں کے غم کو سینے سے لگائے گا ہردم
اب کون دلوں کی محفل میں آشا کے دیپ جلائے گا

غمگین و فسردہ گلشن سے وہ پھولوں کا غمخوار گیا
شاخوں پہ چٹکتے غنچوں کی مسکان لئے دلدار گیا

---

[1] دریائے نیل کی طرف اشارہ۔

وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم محمد فخرالدین
نے مخزن فصاحت کے تاریخی نام ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ء)
میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع کیا۔"

(تلامذۂ غالب ص۱۲۵)

مخزن فصاحت کے اعداد ۱۲۷۹ ہیں۔ فاضل مرتب کے انداز بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مخزن فصاحت کے تاریخی نام سے سن اشاعت ۱۳۰۷ھ برآمد ہونا چاہئے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس نام کو مخزن فصاحت کی جگہ مخزن الفصاحت پڑھا جائے۔

م خ ز ن ا ل ف ص ا ح ت

۴۰+۶۰۰+۷+۵۰+۱+۳۰+۸۰+۹۰+۱+۸+۴۰۰=۱۳۰۷

۱۳۰۷ھ

(۵) علائی۔ نواب علاؤالدین احمد خاں بہادر والی لوہارو کے ذکر میں مالک رام لکھتے ہیں۔

"علائی کی وفات بروز جمعہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۴ء
(۱۱ محرم ۱۳۰۲ھ) کو ہوئی۔ امیر مینائی نے تاریخ کہی۔
مزار سایۂ یزداں علاؤالدین احمد خاں
(اس میں دال مشدد ہونے کے سبب دو دفعہ شمار کی
گئی ہے) (تلامذۂ غالب ص۳۲۲)

یہاں بھی توسین کی عبارت میں فاضل مرتب نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے تاریخ میں کسی مشدد حرف کو دو مرتبہ شمار نہیں کیا جاتا۔ امیر مینائی نے ایک ہی دال شمار کی ہے اور صحیح تاریخ کہی ہے۔ پورے مصرع سے صاف ۱۳۰۲ برآمد ہوتے ہیں۔ مالک رام صاحب کی ایجاد بندہ کے مطابق اس مصرع کے اعداد ۱۳۰۶ ہونے چاہئیں جسے مالک رام بھی تسلیم نہیں کریں گے اور فن تاریخ بھی اس کا کوئی جواز پیش کرنے سے قاصر ہے۔

م ز ا ر س ا ی ہ ی ز د ا ں

۴۰+۷+۱+۲۰۰+۶۰+۱+۱۰+۵+۱۰+۷+۴+۱+۵۰=۳۹۶

ع ل ا ؤ ا ل د ی ن ا ح م د خ ا ں

۷۰+۳۰+۱+۶+۱+۳۰+۴+۱۰+۵۰+۱+۸+۴۰+۴+۶۰۰+۱+۵۰=۹۰۶

۹۰۶

۱۳۰۲

(۹) شیفتہ دہلوی۔ نواب مصطفیٰ خاں دہلوی کی تاریخ وفات اس طرح لکھی گئی ہے۔

"کو سرورا زے بپائیدگفت ایں رحمت حق بر محمد مصطفیٰ"

۱۲۸۶

(تلامذۂ غالب صفحہ ۱۸۶)

"رحمت حق بر محمد مصطفیٰ" کے اعداد ۱۲۷۹ ہیں اس میں ۷ کا تعمیہ کیا جائے تو ۱۲۸۶ حاصل ہوں گے لیکن تذکرے کے مرتب نے پہلا مصرع جس طرح پیش کیا ہے اس میں قباحت یہ ہے کہ سرورازے کا اشارہ (۲۰۰) کے تعمیہ کے لئے ہے جو کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ یقیناً یہاں پہلا مصرع غلط چھپا ہے۔ ۷ کے تعمیہ کی ایک ہی صورت کہ سرورازے کو سرِ زاری پڑھا جائے اور اس شعر کو اس طرح لکھا جائے:

کز سرِ زاری بپایدگفت ایں رحمت حق بر محمد مصطفیٰ
۷ ۱۲۷۹
۷

۱۲۸۶ھ

ر ح م ت ح ق ب ر م ح م د م ص ط ف ی

۲۰۰+۸+۴۰+۴۰۰+۸+۱۰۰+۲+۲۰۰+۴۰+۸+۴۰+۴+۴۰+۹۰+۹+۸۰+۱۰=۱۲۷۹

(۷) ناظم۔ فخرالدین رامپوری کے ذکر میں مرتب نے لکھا ہے" قلعہ رامپور کی تاریخ تعمیر کہی۔

قلعہ جو بنایا ہے سرکار نے کہ ہر وقت جس میں برستا ہے نور
لکھی اس کی تاریخ ناظم نے یوں بنا خوب قلعہ رامپور (کذا)"

(تلامذۂ غالب صفحہ ۲۲۹)

مادۂ تاریخ کا مصرع ناموزوں ہے۔ اس کی صحت پر شبہ مرتب کو بھی تھا اس لئے (کذا) لکھ دیا۔ لیکن ۱۳۲۰ کے اعداد اس کے نیچے کس حساب سے لکھ دئے گئے۔ اس ناموزوں مصرع کے اعداد ۱۳۱۵ ہوتے ہیں۔

ب ن ا خ و ب ق ل ع ہ ر ا م پ و ر

۲+۵۰+۱+۶۰۰+۶+۲+۱۰۰+۳۰+۷۰+۵+۲۰۰+۱+۴۰+۲+۶+۲۰۰=۱۳۱۵

۱۳۱۵

۵ کے عدد کی کمی مصرع کے موزوں ہونے سے پوری ہوگی جس کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے۔

بنا خوب جب قلعۂ رامپور
۱۳۲۰

(۸) ناظم نواب محمد یوسف علی خاں والی رامپور کی وفات کا حال مرتب نے لکھا ہے۔

"۲۱ر اپریل ۱۸۶۵ء (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ) کو
جمعہ کے دن دوپہر کے وقت خالق حقیقی سے جا ملے۔۔
۔۔۔ تاریخ وفات یہ ہے۔
یوسف از جہاں رفت و سکندر آمد

(تلامذۂ غالب صفحہ)

یہ مصرع بھی ناموزوں ہے اور اس ناموزوں مصرع کے اعداد ۱۲۸۸ ہوتے ہیں گویا سات سال بعد کی تاریخ کہی گئی ہے۔

اس ناموزوں مصرع کی موزوں صورت یہ ہوگی

(باقی صفحہ ۶ پر)

مسز اسعید الظفر چغتائی

فرانسیسی زبان

(گذشتہ سے پیوستہ)

فرانسیسی حروفِ تہجی کا استعمال اور تلفظ واضح اور متعین ہیں۔ اگر استثنا ہیں تو صرف چند۔ ہر حرفِ علت ایک متعین الفاظ کا مالک ہے۔ ملتی جلتی آوازوں کا باہمی فرق اعراب (ACCENT) لگا کے نمایاں کر دیا جاتا ہے۔ جو حرفِ صامت (CONSONANT) دو آوازیں دیتا ہے، اسے بھی محلِ استعمال پر قواعد کے مطابق بلا تذبذب صحیح پڑھا جا سکتا ہے۔ اس لئے فرانسیسی لغات میں تلفظ دینے کی عام طور پر ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ صورتِ حال انگریزی سے بالکل مختلف ہے، جہاں "ا" جیسی بنیادی آواز بھی کسی متعین حرفِ علت سے ادا نہیں کی جا سکتی اور انگریز یہ آواز تحریر میں ادا کرنے کی بھانت بھانت سے کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان باتوں کے مدِ نظر یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ ہم ہندوستان میں انگریزی کے ذریعے غیر ملکی زبانیں، خصوصاً فرانسیسی پڑھانے کا غیر فطری طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

فرانسیسی جدید زبان ہوتے ہوئے بھی کلاسیکی ہے۔ اس کا اپنا مزاج اور لب و لہجہ ہے۔ اس لئے جب کبھی غیر زبانوں کے الفاظ مستعار لئے جاتے ہیں، تو انھیں اپنے طور پر پڑھا اور بولا جاتا ہے، حالانکہ عام انسانی قدامت پسندی فرانس میں بھی املا بدلنے میں مانع ہوتی ہے۔ تلفظ اور املے کے چند انتشار اسی باعث ہیں۔ مثلاً CH فرانسیسی میں "ش" ہے، انگریزی میں "چ" اور لاطینی میں "ک"۔ انگریزی میں جہاں جہاں اس مرکب حرف میں H خاموش ہے، تلفظ پر لاطینی اثر ہے۔ فرانسیسی میں بعض جگہ املا درست کر کے H اڑا دیا گیا ہے، جیسے CARACTERE میں، لیکن بعض جگہ H باقی رہ گیا ہے، مثلاً TECHNIQUE میں۔ خارجی الفاظ کے تلفظ کے بارے میں اپنے اپنے مزاج کے مطابق انگریزی اور فرانسیسی ردِ عمل مختلف ہے۔ انگریزی میں استعمال ہونے والے بیرونی لفظ جہاں تک ہو سکے اپنا اصل تلفظ برقرار رکھتے ہیں، جبکہ فرانسیسی میں تلفظ بالکل اپنے انداز کا ہوتا ہے۔ تلفظ اور املا کی یکسانی کا تصور اب انگریزی بولنے والے بھی جا بجا رائج کرنے لگے ہیں، جس میں پہل امریکیوں نے کی ہے۔ ایسی ہی بات تہذیبی اہمیت کے الفاظ کی ہے۔ GENTLEMAN کے لفظی ترجمے GENTIL HOMME کو فرانسیسیوں نے بہت جلد خالص فرانسیسی لفظ MONSIEUR سے بدل لیا تھا، جبکہ عورتوں کو مخاطب کرتے وقت انگریزی بولنے والے اب تک "میڈم" کا استعمال کرتے ہیں۔ "مس" کے ساتھ ساتھ "مز" کا استعمال محض تخاطب کے لئے اگرچہ ہے تو بہت نیا، جسے امریکیوں نے شروع کیا ہے۔

فرانسیسی میں ٹ، ڈ، ڑ وغیرہ قسم کی کرخت آوازیں بالکل نہیں ہیں، اور "خ" اور "غ" بصراحت نہیں۔ حروفِ تہجی (ALPHABETS) حسبِ ذیل ہیں:

a (آ)، b (بے)
c (سے)، d (دے)
e (اخفیف)، f (ایف)، g (ژے)، h (آش)،
i (ای)، j (ژی) k (کے)، l (ایل)، m (ایم)،
n (این)، o (او)، p (پے)، q (کو)، r (ایر)،
s (ایس)، t (تے)، u (اِو)، v (وے)، w (ڈبل وے)
x (اکس)، y (ای گرک)، z (زیڈ)

حروفِ علت (VOYELLES) کا نظام یہ ہے:

a = آ، â = آ، e = اُ (خفیف)، é = اِ
(زیر دور مختصر)، è = اِ (بھاری)، ê = اے (طویل)،
i = اِ، î = اِی، o = او، au = eau = او، ô = آو
(بتاکید)، u = اِو (ہونٹ باہر نکال کے)، û = اِو (بتاکید)

علی عباس امید

غزل

دوستو! ایک نئے عہد کی میں ہوں تمہید
صفحۂ وقت پہ لکھ دو علی عباس امید
چشم آئینہ ہے آنکھوں میں یہ دشوار ہے دید
کیسے ڈھونڈوں تمہیں گم گشتہ عزیزان سعید
اپنا قاتل ہے یہ جلتے ہوئے لمحوں کا سکوت
کیوں نہ دل جل کے کریں دردبیاں کی تجدید
جیت ہی لیں گے بہر حال یہ ماحول کی جنگ
پست ہو جائیں گے اک روز مسائل کے یزید
مجھ پہ باز آرہیں گر سنگ ملامت آئیں
ظرف کو ہاتھ سے جانے نہ دے احساس فرید
میں رہوں یا نہ رہوں پھیلتا جائے ہر سمت
یہ مرا فن کہ مرے خونِ جگر کی ہے کشید
ابھی ابھی سی لکیر دل میں گھرا ہے امید
کیجئے ذہن کو اک اور سفر کی تاکید

û = اُو + ی ، ai = ê = ای (جیسے فولیَر)

oi = وا ، eu = اِو (ہونٹ باہر نکال کے) ، ou = او۔

غنہ حروفِ علت (VOYALES NASALES) یہ ہیں۔

an = آں ، en = اں ، in = اِں ، ain = ein

un = اِں (چھپے سے تیز) ، on = اوں

حروفِ صامت (CONSONANTS) یہ ہیں:-

b = ب ، c = ک اور (e ، i ، y سے پہلے) س ، d = د

f = ف ، g = گ ، (e ، i ، y سے پہلے ژ ،

h = بے آواز

j = ژ ، k = ک ، l = ل ، m = م ، n = ن

p = پ ، q = ک ، r = خ اور غ کے درمیان تلفظ ہے ، عربی کے تلفظ سے قریب۔

s = س یا (دو حروفِ علت کے درمیان) ز ، t = ت ، v = و ، x = کس یا گز (دو حروفِ علت کے درمیان) ، z = ز ، gn = نی (دونوں ساکن)۔

لفظ کے آخر میں آنے والا حرفِ صامت نہیں پڑھا جاتا۔ c ، f ، l ، x عام طور پر مستثنیٰ ہیں۔ بعض خصوصی استثنا اور بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن اصول یہ ہے کہ اگر کسی حرفِ صامت کو لفظ کے آخر میں بصراحت پڑھنا ہی ہے، تو اس کے بعد e بڑھا دیتے ہیں۔ یہ آخری e نہیں پڑھا جاتا۔

بعض اوقات اشتقاقی اعلان کی ضرورت کے پیشِ نظر مذکورہ بالا تین صورتوں کے علاوہ بھی c کو س پڑھنا ہوتا ہے تو اس کے نیچے سیدیئ اعراب (ç) لگا دیتے ہیں جیسے (LANCER) 'لانسے' مصدر سے (LANÇA) 'لانسا' ماضی۔

اسی طرح اگر مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ g کو ژ پڑھنا ہو، تو اس کے بعد e لگا رہنے دیتے ہیں، جو پڑھا نہیں جاتا، جیسے PIGEON (پی ژوں)۔ اور اگر e ، i ، y سے پہلے g کو گ پڑھنا ہو تو اس کے بعد u لکھتے ہیں، جسے پڑھتے نہیں، جیسے GUERLAIN (گرلیں)

اگر دو حروفِ علت کے بیچ میں آنے والے s کو س پڑھنا ہو، تو اسے دہرا (مشدد) لکھتے ہیں، جیسے TASSE (تاس)۔

اگر حروفِ علت کے بعد m کو غنہ پڑھنا مقصود نہ ہو، تو اسے بھی دہرا لکھتے ہیں، مثلاً e = emme = آن۔

ان شکلوں کے علاوہ فرانسیسی میں لکھے جانے والے دہرے حروف مشدد پڑھے جاتے ہیں، جیسے MITTERAND (مِت تراں)۔

ai اور ei کے بعد بعض اوقات m بھی غنہ ہو سکتا ہے، جیسے REIMS = ریں س۔ اس مثال میں s استثنا پڑھا جاتا ہے۔

صفحہ ۴ سے آگے

یوسف زجہاں رفت سکندر آمد

۱۲۸۱

ی و س ف ز ج ہ ا ں ر ف ت س ک ن د ر ا م د

۱۰ + ۶ + ۶۰ + ۸۰ + ۷ + ۳ + ۵ + ۱ + ۵۰ + ۲۰۰ + ۸۰ + ۴۰۰ + ۶۰ + ۲۰ + ۵۰ + ۴ + ۲۰۰ + ۱ + ۴۰ + ۴

+ ۴۰۰ + ۱ + ۴۰ + ۴ = ۱۲۸۱

الف اور واؤ کے نکل جانے سے مصرع بھی موزوں ہوگیا اور ۷ عدد بھی کم ہوگئے۔

مطبوعاتِ انجمن

۱۔ ادبی اور قومی تذکرے (حصہ دوم)	پنڈت کشن پرشاد کول	۵۰ر۹
۲۔ اردو ساہتیہ کا اتہاس (ہندی)	سید احتشام حسین	۲۵ر۷
۳۔ اردو صرف و نحو (جدید ایڈیشن)	مولوی عبدالحق	۲۵ر۱
۴۔ اُ ہندی لغت	مرتبہ انجمن ترقی اردو	۰۰ر۳۰
۵۔ اخلاقِ سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن	۵۰ر۷
۶۔ دھیپد	منور لکھنوی	۰۰ر۲
۷۔ الایام (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر طٰہٰ حسین / مترجم سید عبدالباقی شطاری	۰۰ر۴
۸۔ انتخاب کلامِ میر	مولوی عبدالحق	۵۰ر۲
۹۔ انجم کدہ	عزیز لکھنوی	"
۱۰۔ الواح فلسفہ	ظفر حسین خاں	۵۰ر۵
۱۱۔ آئینہ حقیقت	پنڈت حبیب الرحمٰن شاستری	۰۰ر۲
۱۲۔ ایک مشرقی کتب خانہ	سید مبارز الدین رفعت	۰۰ر۳
۱۳۔ بازدید	منیب الرحمٰن	۵۰ر۲
۱۴۔ بھگوت گیتا	محمد اجمل خاں	۵۰ر۲
۱۵۔ پرچھائیں	آصف علی	۰۰ر۴
۱۶۔ تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۰۰ر۲
۱۷۔ خطوط غالب	مالک رام	۵۰ر۷
۱۸۔ حیات اجمل	قاضی عبدالغفار	۰۰ر۴
۱۹۔ زنداں نامہ	فیض احمد فیض	۲۵ر۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مراسلات

اردو کے لئے اس کا موجودہ رسم خط مناسب ترین ہے

لکھنؤ۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی کے مکان پر ایک مذاکرہ ہوا جس میں مقررین نے اتفاق رائے سے اس تجویز کی تائید کی کہ اردو زبان کے لئے اس کا موجودہ رسم خط مناسب ترین ہے اور دیوناگری یا کوئی بھی دوسرا رسم خط اس زبان کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ مقررین نے اردو رسم خط کی تبدیلی کو اس کے لئے مہلک قرار دیا اور ان کوششوں کی مذمت کی جو بعض حلقوں کی طرف سے اس تبدیلی کے سلسلے میں کی جا رہی ہیں۔

رسم خط کی تبدیلی کو ضروری قرار دینے والے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے جس طرح اردو زبان کی کس مپرسی کی مبالغہ آمیز تصویریں کھینچتے ہیں، اس کس مپرسی کا اصل سبب اردو کے موجودہ رسم خط کو ٹھہراتے ہیں اور اسی ضمن میں اردو رسم خط کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے خود ان کی شکست خوردگی کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا۔

کچھ حاضرین نے اس بات پر زور دیا کہ رسم خط کی تبدیلی کے وکیلوں کا طرز فکر اور نقطۂ نظر سیاسی ہے جس کے پس پشت اردو کی محبت سے زیادہ ذاتی مفاد کا خیال کار فرما ہے۔ علاوہ بریں رسم خط کی تبدیلی کے حامیوں کو اردو زبان اس لئے مرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ خود ان کے بچے اور متوسلین اردو نہیں پڑھتے۔ وہ انگریزی پڑھتے ہیں یا ہندی۔

مذاکرے میں ڈاکٹر ہرش نرائن، رام لعل، ڈاکٹر نیر مسعود، ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر ولی الحق انصاری اشرف علی اور شمس الرحمٰن فاروقی نے حصہ لیا۔

• نامہ نگار

غالب کے خطی نسخوں میں سنہ کتابت محذوف؟

کلام غالب کے خطی نسخوں میں محذوف سنہ کتابت سے متعلق سید حامد حسین صاحب کا مراسلہ (ہماری زبان بابت ۲۲ ستمبر ۷۰ء) اہل تحقیق کو دعوت فکر دیتا ہے۔ "گل رعنا" مرتبہ مالک رام (نسخۂ بلگرامی) اور نو دریافت نسخۂ دیوان غالب کے ترقیمہ میں سنہ کتابت کا نہ ہونا امر اتفاقیہ نہیں معلوم ہوتا "گل رعنا" بخط کاتب (مملوکہ مالک رام) کے نسخہ میں نامکمل سنہ کتابت یقیناً کاتب کی ذہنی ترنگی اور کاروباری مصلحت کی جانب نشاندہی کرتا ہے لیکن "دیوان غالب بخط غالب" کے ترقیمہ میں سنہ کتابت کے نہ تحریر کرنے سے غالب کے کس جذبہ کی تسکین ہوئی، فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اگر یہ نسخہ بخط غالب ہے، جیسا کہ ہندوستان کے مشہور محققین اس کا اظہار کر چکے ہیں، تو غالب کو "بتاریخ چہار دہم رجب المرجب یوم سہ شنبہ سنہ ہجری..." لکھ کر صرف ہجری کی جگہ خالی چھوڑنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ وہ اس تحریر کے ساتھ ہی سنہ کتابت بھی درج کر سکتے تھے۔

مصنف کو مکمل تاریخ کتابت درج کرنے میں واقعتاً کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے بظاہر نامکمل سنہ کتابت ایک معمولی سی بات نظر آتی ہے لیکن بہ باطن بہت ہی اہم ہے۔ اسی اہمیت کی روشنی میں دیوان غالب کے نو دریافت قلمی نسخہ کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔

• موسیٰ محمد راج

ایک شعر کے بارے میں

ہماری زبان ۲۲ ستمبر ۷۰ء میں جناب عابد حسین راہی نے مندرجہ ذیل شعر کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ کس کا ہے۔

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

یہ شعر ایک غیر معروف شاعر نشتر لکھنوی کا ہے جو جناب صاحب اختر لکھنوی کے شاگرد تھے۔

• اعجاز وارثی

گل رعنا از غالب

مرتبہ

مالک رام

غالب نے اپنے اردو اور فارسی کلام کا یہ انتخاب ۱۸۲۸ء میں کیا تھا، لیکن بدقسمتی سے یہ کتاب گم ہو گئی اور اس لئے آج تک منظر عام پر نہ آ سکی۔ خوش قسمتی سے اس کا خطی نسخہ مالک رام صاحب کو دستیاب ہو گیا۔ اسی نسخے کو ان کے ایک مبسوط مقدمے اور مفصل حواشی کے ساتھ شائع کر دیا گیا ہے۔

کتاب بڑے سائز پر، اعلیٰ کتابت اور آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت اور خوبصورت گرد پوش کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

ظاہری شکل و صورت کے پہلو سے بھی یہ اردو کی بہترین کتابوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

قیمت ساڑھے سات روپے

پتہ

علمی مجلس، ۴/۲۹۰۱ چھتہ نواب صاحب فراشخانہ

دلی ۶

انجمن کی خبریں

مرکزی انجمن ترقی اردو کی کل ہند مردم شماری کمیٹی کی روداد

مرکزی انجمن ترقی اردو کی کل ہند مردم شماری کمیٹی کی ایک اہم میٹنگ ۸ر ستمبر ۱۹۷۰ء کو زیر صدارت جناب پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صاحب منعقد ہوئی بوقت ۱۰½ بجے دن سرو ہاؤس بارہ کھمبا روڈ نئی دہلی میں میٹنگ کا آغاز ہوا۔ اور درج ذیل حضرات کی موجودگی میں امورات ذیل پر بحث ہوئی۔

(۱) جناب پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صاحب
(۲) 〃 حیات اللہ انصاری صاحب
(۳) بیگم سلطانہ حیات صاحبہ

امورات

(۱) سلطانہ حیات کی رپورٹ
(۲) مردم شماری کی مہم کو منظم کرنے کا خاکہ
(۳) مردم شماری سے متعلق کتابچہ کی اشاعت
(۴) کل ہند مردم شماری کمیٹی کے انچارج کا تقرر

سب سے پہلے سلطانہ حیات صاحبہ نے مردم شماری کے سلسلے میں درج ذیل رپورٹ پیش کی۔

مردم شماری کے متعلق سرکاری ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مردم شماری کے متعلق جو اطلاعات اس نے خود (ENUMERATOR) سرکاری شمار کار کو دی ہیں دیکھ سکے کہ شمار کار نے اس کا اندراج ٹھیک کیا ہے یا نہیں بلکہ اس کے برعکس شمار کار کو صاف الفاظ میں ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی شخصی سلپ یا INDIVIDUAL SLIPS کسی کو نہ دکھائے ورنہ وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

میں نے اس قانون کے متعلق انجمن ترقی اردو (ہند) کی مجلس عاملہ کو مطلع کر دیا تھا۔ جب انجمن ترقی اردو (ہند) کا وفد دہلی میں مردم شماری کمشنر سے ملا تو اسی وقت بھی کمشنر موصوف کی توجہ اس بنیادی حق کی طرف دلائی کہ ہر شخص کو اپنا شخصی فارم بعد اندراج دیکھنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

اس کے بعد مردم شماری کمشنر سے اس سلسلہ میں خط و کتابت ہوئی اور حالیہ خط بتاریخ ۱۰ر اگست میں انھوں نے میرے خط کا جواب دیتے ہوئے عوام کو درج ذیل حق دیا ہے۔

(۱) "خاندان کا بزرگ یا MASTER OF THE HOUSE کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ہر فرد کا مردم شماری کا شخصی فارم دیکھ سکتا ہے اور اگر اندراجات ٹھیک ہوں تو ہر فارم کی پشت پر اپنے دستخط کر دے۔"

لیکن یہ اجازت ابھی بہت تشنہ ہے فرض کیجئے۔

(۱) مردم شماری کے وقت خاندان کا بزرگ موجود نہیں ہے۔

(۲) خاندان کا بزرگ پڑھا لکھا نہیں ہے۔

(۳) ۲۸ر فروری اور یکم مارچ کی درمیانی رات کو جب بے گھر لوگوں کی مردم شماری ہوگی تو ان کے شخصی فارم کی صحت کو کون جانچے گا۔

ان باتوں کے علاوہ بھی چند باتیں وضاحت طلب ہیں جن کے متعلق مردم شماری کمشنر سے خط و کتابت جاری ہے۔ نتیجہ برآمد ہونے پر اطلاع دیدی جائے گی۔

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر مردم شماری میں کوئی اطلاع شمار کار ٹھیک درج نہیں کرتا بلکہ ضد پر اڑ جاتا ہے اور خاندان کا بزرگ اپنی ناراضگی دکھانے کے لئے مردم شماری کی سلپ کی پشت پر دستخط بھی نہیں کرتا تو پھر کیا کیا جائے۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں میں نے ہزار اردو کی تعداد میں شکایتیں ضلع، صوبہ اور کل ہند مردم شماری کے دفتر کو پہنچائیں تھیں بہت بھاگ دوڑ اور تعاون کے وعدوں کے باوجود ان سب شکایتوں کا تدارک نہ ہو سکا اس لئے عوام کے ہاتھوں میں کوئی طاقت ہونا چاہئے جس کو وہ بجائے مجبوری کی استعمال کر سکیں۔

مردم شماری ہمارے ملک کے بنیادی منصوبوں کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اگر شمار کار کسی بھی اطلاع کا اندراج غلط کرتے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ مردم شماری سے متعلق قانون غلط اندراج کرنے پر شمار کار کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔

اس رپورٹ پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ

(۱) شخصی سلپ دیکھنے کی اجازت تشریح طلب ہے۔

(۲) غلط اندراجات پر قانونی چارہ جوئی کس طرح کی جائے اس کی تفصیل معلوم کی جائے۔

جناب حیات اللہ انصاری صاحب نے یہ تجویز پیش کی مردم شماری بالکل صحیح ہو اس کے لئے عوام کا تعاون ضروری ہے۔ عوام کو مردم شماری کے ضروری اصول و ضوابط سے باخبر کرایا جائے اور یہ کام منظم طریقہ پر ہو۔ طے پایا کہ مردم شماری مہم کا خاکہ مع اخراجات بنا کر کمیٹی کے سامنے پیش کیا جائے۔

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
(ادارہ)

یہ بھی طے پایا کہ مردم شماری کے متعلق الگ کتابچہ شائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہماری زبان کا مردم شماری نمبر کم از کم دس ہزار کی تعداد میں شائع ہو جائے تاکہ وہ ملک کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔

آخر میں یہ طے پایا کہ سلطانہ حیات صاحبہ آئندہ بحیثیت انچارج مردم شماری کمیٹی انجمن ترقی اردو (ہند) مردم شماری کا کام کریں گی۔

• سلطانہ حیات

آندھرا پردیش میں جامعاتی سطح پر اردو کے طلبہ کو مناسب سہولتیں مہیا کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد ۷۔ جناب حبیب الرحمٰن معتمد قومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے ریاستی حکومت سے اپیل کی کہ جب بھی یونیورسٹی سطح پر تلگو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے مسئلہ پر غور کیا جائے ان طلبہ کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو اردو میڈیم سے انٹر میڈیٹ کامیاب کریں گے یہ طلبہ بھی ان ہی سہولتوں کے مستحق ہیں جو تلگو میڈیم والوں کے لئے مہیا کی جائیں گی خواہ ان کا تعلق ملازمتوں میں ہمت افزائی سے ہو، خاص قسم کا ترجیحی سلوک کرنے سے ہو، مسابقتی امتحانات سے ہو، متعلقہ اساتذہ کی تربیت سے ہو یا نصابی کتابوں کی تیاری سے ہو۔ جناب حبیب الرحمٰن نے آج اپنے صحافتی بیان میں کہا کہ "اخباروں میں یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ ۱۹۷۱ء سے تلگو کو یونیورسٹی کی سطح پر ذریعہ تعلیم بنانے کا مسئلہ آندھرا پردیش کی تینوں یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کی کانفرنس میں زیر بحث آیا۔ کانفرنس کی رائے میں اس پالیسی کی کامیابی کا انحصار، اس بات پر ہے کہ جو طلبہ تلگو ذریعہ تعلیم سے امتحانات کامیاب ہوں، ملازمتوں کے معاملہ میں ان کی زیادہ ہمت افزائی کی جائے اور ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے نیز کل ہند سطح پر جو مسابقتی امتحانات ہوتے ہیں وہ علاقائی زبانوں میں بھی منعقد کئے جائیں اور اس مسئلہ پر ریاستی حکومت مرکز سے گفتگو کرے اس کے علاوہ اساتذہ کو تلگو میں پڑھانے کی مشق کے لئے ضروری تربیت کا انتظام کیا جائے اور نصابی کتابیں بروقت مہیا کی جائیں۔ اخباری اطلاع سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آندھرا پردیش میں اردو بولنے والوں کی جو بڑی تعداد بستی ہے آیا اس کی طرف بھی کانفرنس میں کوئی توجہ کی گئی اس سلسلے میں حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ جب بھی یونیورسٹی کی سطح پر تلگو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے مسئلے پر غور کیا جائے ان طلبہ کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو اردو میڈیم سے انٹر میڈیٹ کامیاب کریں گے۔ (نامہ نگار)

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن (آندھرا پردیش) میں اردو پنڈت ٹریننگ کورس کا انتظام

حیدرآباد ۷۔ اردو پنڈت ٹریننگ کورس کی ایک جماعت جس میں تقریباً (۴۰) امیدواروں کے لئے گنجائش فراہم کی گئی ہے گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن حیدرآباد میں جاری ہے۔ اس جماعت میں صرف وہی اساتذہ داخلہ لے سکتے ہیں جو برسر خدمت ہوں۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش حیدرآباد کے ایک پریس نوٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ اکثر و بیشتر (در کار تعداد میں) اساتذہ دستیاب نہیں ہوتے اور اس طرح کئی نشستیں خالی رہ جاتی ہیں دوسری جانب بی او ایل امتحان کامیاب کرنے والے کئی امیدوار اس نصاب میں داخلہ کے متمنی رہتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے اس صورت حال سے ناظم تعلیم کو واقف کرایا۔

ناظم تعلیم نے انجمن کو بتایا کہ انھوں نے پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن حیدرآباد کے نام ضروری ہدایات روانہ کر دی ہیں کہ اگر برسر خدمت اساتذہ کو داخلہ دینے کے بعد بھی نشستیں خالی رہ جائیں تو ایسی صورت میں دوسرے امیدواروں کو داخلے دئے جائیں۔ • نامہ نگار

بابا گرونانک کی پانچ سو سالہ برسی کی تقریب کے سلسلے میں کل ہند مشاعرہ

چنڈی گڑھ۔ بابا گرونانک کی پانچ سو سالہ برسی کی تقریب کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو پنجاب کے زیر اہتمام حکومت پنجاب کی سرپرستی میں جو مشاعرہ نومبر ۶۹ء میں منعقد ہونا قرار پایا ہے اس کے لئے مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک تنظیمی کمیٹی بنا دی گئی ہے حکومت نے اس سلسلہ میں سات ہزار روپیہ کی گرانقدر امداد بھی دی ہے۔

(۱) صدر: شری ایس۔ ایس۔ بدی۔ پرنسپل سکریٹری وزیر اعلیٰ پنجاب۔

(۲) نائب صدر: شری ہیرا لال ایڈوکیٹ جنرل

(۳) 〃 شری ایس جوگندر سنگھ سکریٹری مالیات تعلیم

(۴) 〃 شری گیانی لال سنگھ ڈائرکٹر ڈیولپمنٹ۔

(۵) جنرل سکریٹری، شری سورج ناتھ نوتن جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب

(۶) سکریٹری۔ شری رشی پٹیالوی

(۷) سکریٹری مالیات۔ شری دل جگ سنگھ جوہر

(۸) اور چار دیگر معزز ممبران۔ مشاعرے میں بابا گرونانک پر جو نظمیں پڑھی جائیں گی وہ جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کی جائیں گی۔

اخبار و افکار

پنجابی کو دلی میں دوسری علاقائی زبان بنانے کا مطالبہ

نئی دلی: سکھ برادرہڈ انٹرنیشنل کے ایک وفد نے چیف ایگزیکٹیو کونسلر جناب ملہوترا کو ایک میمورنڈم پیش کیا ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ پنجابی کو مرکزی نظم ونسق کے علاقے میں دوسری علاقائی زبان قرار دیا جائے۔

انھوں نے مانگ کی ہے کہ پنجابی کو تعلیمی اداروں میں لازمی مضمون قرار دیا جائے ، اسے سرکاری خط وکتابت میں بھی استعمال کیا جائے اور سڑکوں کے نام انگریزی ، ہندی ، اردو اور پنجابی میں ہونا چاہیے۔

وفد نے دعوا کیا ہے کہ دلی کی ۸۰ فی صدی آبادی پنجابی بولتی ہے اور دوشنبہ کو میٹرو پالٹن کونسل کے سامنے دھرنا شروع کرنے کی دھمکی دی ہے۔ وفد کے ایک ترجمان نے دھمکی دی کہ جناب ملہوترا کے دفتر کے باہر ان کے نام کی تختی پر عبارت پنجابی میں لکھ دی جائے گی۔

جناب ملہوترا نے بتایا کہ دلی میں پنجابی کی ترویج کی تدبیروں پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے گزشتہ مردم شماری میں دلی کے صرف ۱۲ فی صدی باشندوں نے اپنی مادری زبان پنجابی لکھائی تھی ۵ فی صد نے اردو لکھائی تھی۔ آئین کے تحت علاقائی زبان کا درجہ اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب کم از کم ۲۵ فی صد لوگ اسے اپنی مادری زبان بتائیں جناب ملہوترا نے کہا کہ بہر حال کہ میں پنجابی کو اس کا مناسب مقام دئے جانے کے حق میں ہوں۔

اسی اثنا میں ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ لیفٹیننٹ گورنر جناب اے۔ این۔ جھا نے ایک کمیٹی بنادی ہے جو دلی میں پنجابی کے مناسب مقام کے بارے میں غور کرے گی۔ چیف ایگزیکٹیو کونسلر اس کے چیرمین اور ڈپٹی سکریٹری جناب میٹروپالٹن کونسل۔ اس کے سکریٹری ہوں گے۔ کمیٹی چھ مہینے کے اندر اپنی رپورٹ پیش کردے گی۔

• قومی آواز

دلی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ

دلی: دلی میٹروپولٹن کونسل میں مطالبہ کیا گیا ہے اردو کو دلی کی دوسری سرکاری زبان بنایا جائے اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مسئلہ اس وقت اٹھایا گیا۔ جب کہ ایوان میں پنجابی کو دلی کی دوسری زبان بنانے کا مطالبہ پیش کیا گیا۔ چیف ایگزیکٹیو کونسلر نے کہا کہ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ۶ ممبروں کی ایک کمیٹی مقرر کردی گئی ہے۔ مولانا امداد صابری نے اس موقع پر ایک پرزور تقریر میں مطالبہ کیا، کہ دلی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنایا جائے۔

کانگریس کے جناب شیو چرن گپتا نے کہا کہ اردو اور پنجابی دونوں کو دلی کی دوسری سرکاری زبانیں قرار دیا جائے۔

• الجمعیۃ

ن۔ م۔ راشد کی شخصیت اور شاعری پر

سہ ماہی 'شعر و حکمت' کا خصوصی شمارہ

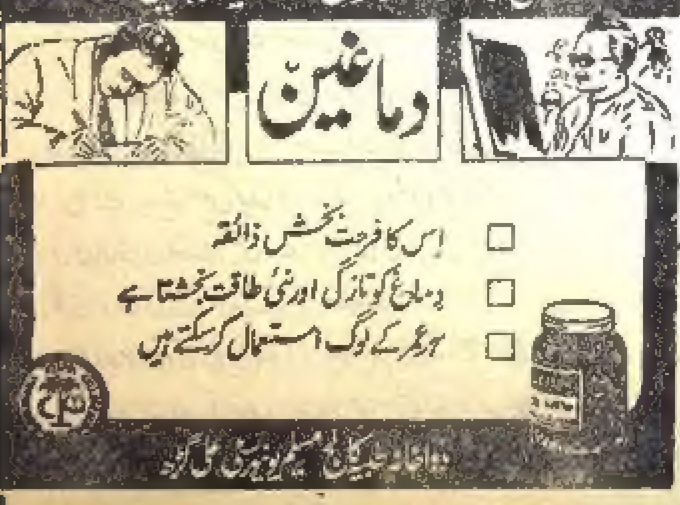
حیدرآباد: ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ سہ ماہی 'شعر و حکمت' کا تیسرا شمارہ اردو کے ممتاز شاعر ن۔ م۔ راشد کی شاعری اور شخصیت کے مطالعہ کے لئے مخصوص ہوگا اس شمارہ میں راشد کی نئی نظمیں، ان کے تینوں مجموعوں کا انتخاب ان کی مختصر سوانح، راشد کی نئی تصویریں، ان کی شاعری پر اہم ناقدین کے تنقیدی مضامین، مباحثے، تجزیے اور ترجمے شامل ہوں گے۔ اس خاص نمبر کی ضخامت تقریباً تین سو صفحات ہوگی۔ خریداروں اور ایجنٹوں سے درخواست کہ وہ اپنی کاپی ابھی سے محفوظ کرالیں۔ شعر و حکمت کی سالانہ خریداری تیرہ روپے ہے۔

مینجر 'شعر و حکمت'
۴۹۶-۲-۲۲-بازار نور الامر
حیدرآباد - ۲۴

گرو نانک اور اردو شعراء

مندرجہ بالا عنوان کے تحت ۱۵ر ستمبر کے ہماری زبان میں تحریر شائع ہوئی ہے اس سلسلے میں خط وکتابت کا تفصیلی پتہ مندرجہ ذیل ہے۔

سورج تنویر جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (پنجاب) مکان نمبر ۲۴۹ سیکٹر ۲۱ ڈی چنڈی گڑھ - ۲۱



میں گھوڑے اور گدھے ایک ساتھ باندھے جاتے ہیں۔

ترقی پسند تحریک کے ہنگامی اور صحافتی ادب کے خلاف جب ردعمل ہوا تو ہمارے ادب میں چند نئی جہتیں پیدا ہوئیں شعر و نثر کی اصناف میں آزادانہ طرزِ فکر، انفرادی تجربے اور ادب کے تخلیقی اور جمالیاتی عمل پر زور دیا جانے لگا اور اپنے پیش رووں کے غیر ادبی رویوں کا سخت احتساب کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ نظم و نثر میں ہم نے تازگی اور تازہ کاری کا ثبوت دیا مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری تنقید اب بھی اس طلسم سے نہیں نکل سکی۔ ترقی پسندی کے دورِ زوال کی صحافتی اور اشتہاری تنقید نے کچھ ایسی روایتیں چھوڑی ہیں جنھیں جدید لکھنے والے بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے بھی اسی ادبی مساوات کے اصول پر عمل کیا ہے اور چند ظاہری مشابہتوں کی بنا پر آج کے ہر لکھنے والے کے نام کی کیٹلاگنگ کو تنقید کا اصل مدعا سمجھا ہے۔

ترقی پسندوں کی بعض اصطلاحوں کی جگہ اب نئی اصطلاحوں نے لے لی ہے۔ صنعتی تہذیب کی حشر سامانی، فرد کا احساسِ تنہائی، عقیدے کا بحران، انکشافِ ذات وغیرہ جیسی باتیں بار بار ایک ہی انداز میں دہرا دہرا کر آج کے لکھنے والوں کے نام گنائے جاتے ہیں یا ان کی تحریروں سے اقتباسات جمع کرکے رکھ دئے جاتے ہیں۔ ان ناموں کی فہرست بنانے یا ان اقتباسات کے پیش کرنے میں مطلق اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا کہ یہ تحریریں ادبیت کے دائرے میں آتی ہیں یا نہیں یا اگر آتی ہیں تو ان میں باہم امتیاز کس طرح قائم کئے جائیں یا ان کی درجہ بندی کس طرح ہو۔ اہم غیر اہم، مجتہد اور مقلد، جعلی اور اصلی سب ایک صف میں کھڑے ہوئے ہیں اور سب "جدید" ہیں اور "جدیدیت" کے وصف سے بہرہ ور۔ اس نوع کی تنقید اب نہ تو قاری کی ادبی بصیرت میں اضافہ کرتی ہے، نہ ادب کے متعلق بنیادی سوالات اٹھاتی ہے، نہ فن پارے کی گہرائی میں اترتی ہے، نہ ان کا تجزیہ کرتی ہے، نہ اعلیٰ اور ادنیٰ میں فرق کرتی ہے۔ اس کا مقصد غالباً یہ ہوتا ہے کہ وہ سارے لکھنے والے اس مضمون کو پڑھ کر خوش ہولیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسے مضامین کا مصرف اب یہ رہ گیا ہے کہ انھیں ادیب اور شاعر ہی پڑھتے ہیں، انھیں مضمون سے کم سروکار ہوتا ہے وہ صرف ناموں کی فہرست میں اپنا نام یا اقتباسات کے ذیل میں اپنا اقتباس ڈھونڈتے ہیں، پاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں نہیں پاتے تو ناراض ہوتے ہیں اور مضمون نگار سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر اب بہت سے چھوٹے موٹے اور بالکل مبتدی شاعر بھی اسٹینڈرڈ تنقیدی مضمون لکھ رہے ہیں اور تنقید نگاری بازیچۂ اطفال ہو کر رہ گئی ہے۔

ادبی تنقید کی اس کساد بازاری کے دور میں شمس الرحمٰن فاروقی کے اس مضمون کو میں ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہوں جس کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا تھا۔ اس مضمون کا عنوان ہے "شعر، غیر شعر اور نثر" اور یہ "شب خون" کے شمارہ اگست ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں فاروقی نے ادب سے متعلق وہ بنیادی سوالات اٹھائے ہیں جن سے اب تک ہماری تنقید دامن بچاتی رہی ہے یعنی ادب اور غیر ادب یا شعر اور غیر شعر میں کس طرح فرق کیا جائے اور اس کی پہچان کے لئے ہمارے پاس کونسی کسوٹی ہے۔ سماجی اور عمرانی تنقید کی نارسائی تو ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ وہ ادب کے موضوع اور ادیب کے نقطۂ نظر کی سماجی افادیت یا عدم افادیت سے تو بحث کرتی ہے مگر ادب کے پورے تخلیقی عمل کو سمجھنے اور مختلف تحریروں کے امتیازات اور تاثر پذیری کی اندرونی تہوں کو کھولنے سے قاصر رہتی ہے۔ ذوقی اور تاثراتی تنقید محض ذوقِ سلیم اور انفرادی ردعمل یا تاثر کو بنیاد بناتی ہے۔ چونکہ ذوق اشخاص کی نوعیت، ان کے مزاج اور ادوار کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اس لئے اسے معروضی پیمانہ نہیں بنایا جا سکتا اور ہر شخص یہی کہہ سکتا ہے کہ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا"۔ ہمارے علمائے قدیم نے علم بیان کی اصطلاحیں وضع کیں مگر ان میں خرابی یہ ہے کہ وہ زیادہ گہرائی میں نہیں جانے دیتیں، دوسرے وہ اصطلاحیں نظم و نثر کی امتیازی خصوصیات پر حاوی نہیں ہیں۔ فاروقی نے مشرق و مغرب کی شعریات سے استفادہ کرنے کے بعد شعر کو غیر شعر سے اور نظم کو نثر سے الگ پہچاننے کے کچھ اصول وضع کئے ہیں اور انھیں ثابت کرنے کے لئے اپنے ادب سے وافر مثالیں فراہم کر دی ہیں۔ شعر کی موزونیت، شعری آہنگ، شعر کا اجمال اور اس کی نوعیت، الفاظ کا تخلیقی اور جدلیاتی استعمال، غیر متعین اور غیر محدود معنی کے امکانات یا ابہام، استعارہ، پیکر اور علامت کا عمل اور اس کے اثرات، ان سب پر مفصل گفتگو کرنے کے بعد نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم فاروقی کے خیالات سے ہر جگہ اتفاق کریں مگر یہ مضمون ہمیں ادب کے بنیادی مباحث پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ان مسائل کو حل کئے بغیر ہم تنقید کی بسم اللہ بھی نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ یہ مضمون جدید اردو تنقید میں ایک نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

▲

اردو ادب کے پرانے
فائل
۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۷ء تک
قیمت: مجلد ۲۱ روپے فی جلد
پتہ
انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

خلیل الرحمن اعظمی

میرا صفحہ

اردو میں افادی اور اخلاقی تنقید کا سنگ بنیاد حالی نے رکھا تھا۔ اس تنقید کی کوتاہیوں اور نارسائیوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کلیم الدین احمد، محمد احسن فاروقی اور وحید قریشی سے لے کر دوم درجے کے مبصروں تک نے بار بار یہ بات دہرائی ہے کہ حالی نے مغرب سے جو ادبی نظریات درآمد کیے ان کے متعلق ان کا علم ناکافی تھا اس لیے بعض تنقیدی اصطلاحات کی تعبیر میں ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں مگر جوش تنقید میں ہم نے یہ فراموش کر دیا کہ حالی میں لاکھ عیب سہی ان میں کم از کم ایک خوبی تو تھی ہی کہ وہ اس شے لطیف سے بے بہرہ نہیں تھے جو شعر اور غیر شعر کے فرق کو پہچان لیتی ہے۔ ادبی نقاد کو اگر قدرت کی طرف سے یہی ایک شے مل جائے تو اس کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں اس نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سودا اور نظیری کے دو ہم مضمون شعر یہ ہیں:

بوئے یار من ازیں سست وفا می آید
گلم از دست بگیرید کہ ازکار شدم
(نظیری)

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
(سودا)

حالی کا ان شعروں پر محاکمہ یہ ہے:

"ازکار شدم میں وہ تعمیم نہیں ہے جو اس میں ہے کہ چلا میں۔ نہیں معلوم کہ آپے سے چلا یا دین و دنیا سے چلا یا جگر سے چلا یا کہاں سے چلا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ 'چلا میں' ہمیشہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب آدمی مدہوشی و بدحواسی ہو کر گرنے کو ہوتا ہے اور 'ازکار شدن' میں یہ بات نہیں ہے۔ معطل ہونے، معزول ہونے، اپاہج اور نکمے ہونے کو بھی ازکار شدن سے تعبیر کرتے ہیں۔"

فاروقی اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"تعجب ہے کہ اس درجہ شعر فہمی پر قادر شخص کے بارے میں کلیم الدین احمد لکھتے ہیں کہ خیالات ماخوذ، شخصیت معمولی، نظر سطحی — "سطحی نظر" والے 'چلا میں' اور 'ازکار شدم' کے فرق کو کہاں محسوس کر سکتے ہیں اور 'چلا میں' کو اس کے پیکری کردار اور ابہام (جس کو حالی نے تعمیم کہا ہے) کی بنا پر 'ازکار شدم' سے کہاں بہتر کہہ سکتے ہیں۔"

حالی کی افادی اور اخلاقی تنقید آگے چل کر ترقی پسند نقادوں کے ہاتھوں سماجی اور عمرانی تنقید کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نقادوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی ہی تنقید صحیح معنوں میں سائنٹفک تنقید ہے۔ ممکن ہے یہ دعویٰ اپنی جگہ پر درست ہو لیکن اس تنقید کے بعض خصائص اب اس قدر واضح ہو چکے ہیں کہ انھیں ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں مثلاً یہ کہ اپنی اعلیٰ ترین شکل میں بھی یہ تنقید سماجی و عمرانی پس منظر میں ادب کی تشریح و تعبیر کی منزلوں سے آگے نہیں جاتی۔ فن پاروں کی ادبی قدر و قیمت اور درجہ بندی میں اس تنقید سے ہمیں کوئی رہنمائی نہیں حاصل ہوتی۔ اس کمی کا احساس ہمیں اس وقت زیادہ نہیں ہوتا جب یہ ماضی کے ادب عالیہ کی تشریح و تعبیر اپنے مخصوص چوکھٹے میں رکھ کر کرتی ہے کیونکہ ماضی کے فن کاروں کی درجہ بندی پہلے ہی ہو چکی ہے اور ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ میر، غالب یا انیس اردو کے برگزیدہ شعرا ہیں لیکن اس نوع کے نقادوں کا اصل امتحان وہاں سے شروع ہوتا ہے جب ہم عصر ادب پر قلم اٹھاتے ہیں۔

چونکہ ہم عصر ادیبوں کی ادبی حیثیت نسبتاً غیر واضح اور غیر متعین ہوتی ہے اس لیے ان میں اہم اور غیر اہم کی شناخت تو دشوار ہے ہی اگر نقاد کو وہ حس لطیف ودیعت نہیں ہوئی ہے جو جعلی اور اصلی ادب میں تمیز کر سکے تو پھر سیدھا سادا طریقہ یہی رہ جاتا ہے کہ تنقید لکھنے والا ان تمام تحریروں کو جو ادب کے نام پر لکھی جا رہی ہیں ایک ہی کھاتے میں رکھے۔ گویا سماجی اور عمرانی پس منظر کے سہارے وہ ہر کھرے اور کھوٹے کے ساتھ ایک ہی برتاؤ کرے اور سب کے اندر ایک سی مشترک خصوصیات کی نشاندہی کر کے انھیں سند اعتبار عطا کر دے۔ ادبی مساوات کا یہ تصور کس درجہ مضحکہ خیز ہے اور اس سے ہمارے ادب میں کیا نتائج مرتب ہوئے اس کے بارے میں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ اس رویے نے جس ادبی تنقید کو جنم دیا اس پر جوش کا یہ قول صادق آتا ہے کہ ہماری تنقید ایک ایسا اصطبل ہے جس

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L. 922 فون نمبر ۲۹ R. NO. 1134/57